شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر

فقہ حنفی کی مقبولیت کی وجہ

تاریخ اسلام اس بات کے لیے کافی ثبوت پیش کرتی ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی معتدبہ اکثریت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کی دلدادہ رہی ہے۔ بعض حضرات نے اس کی وجہ تو صرف یہی بتائی ہے کہ چونکہ امام ابو یوسفؒ اور اس قسم کے دیگر اکابر حنفیہ اسلامی حکومتوں میں قاضی القضاۃ تھے لہٰذا ان کی ترغیب یا با الفاظ دیگر اثر و رسوخ اور کنبہ پروری کی وجہ سے فقہ حنفی مقبول ہوئی ہے جیسا کہ بہت سے غیر مقلدین حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ایک حوالہ پر حواشی در حواشی لگا کر اس کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ پہلے تو یہ بات بھی نہایت قابل غور و فکر ہے کہ اکثر مسلمان اور عادل بادشاہ (جو اگرچہ خلفاء راشدین کی مد میں تو شمار نہیں کیے جا سکتے مگر ان کی اسلام دوستی کبھی شک و شبہ سے بالاتر ہی رہی ہے) کیوں فقہ حنفی کے مقبول کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے کوشاں اور مجبور رہے ہیں؟ اگر آئے دن نت نئے حوادث و نوازل اور احکام و مسائل میں بغیر فقہ کے ان کو کوئی صحیح حل نظر آتا یا فقہ حنفی کے بغیر کسی اور امامؒ کی فقہ میں ان کے لیے تشفی کا کوئی سامان موجود ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے دامن میں کیوں پناہ لیتے اور اس کے گرویدہ اور دلدادہ کیوں ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومت اور سلطنت کی ترقی زمانہ کے ساتھ نئی نئی مشکلات کو بوریا نشین مولوی اور زنادیہ حجرہ میں تصوف کی ضربیں لگانے والا صوفی اور ہر پیش آمدہ نئے حادثہ اور مسئلہ کو صریح الفاظ حدیث میں تلاش کرنے والا سادہ لوح محدث کیا جانے؟ وقت کے جدید تقاضوں اور نئے نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن و حدیث کی صحیح روشنی میں حل کرنے کا صرف وہی حل ہو سکتا ہے جو قرآن و حدیث اور اقوال صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ دین کے پیش کردہ اصول و ضوابط کے تحت ہر نئے مسئلہ کا حل تلاش کر سکے اور اپنے تفقہ و اجتہاد سے اس نازک گتھی کو سلجھا سکے اور ملکی حالات اور مسلمانوں کے جدید مسائل سے بھی خاصا واقف ہو۔ باقی وہ حضرات جو ان چیزوں سے متعلق دلچسپی نہیں رکھتے تو وہ بیچارے لکیر کے فقیر کیا خاک جدید مسائل حل کریں گے۔ یہ بات دلچسپی اور عبرت سے خالی نہ ہو گی کہ جب پاکستان کے ہردلعزیز وزیر اعظم لیاقت علی خان صاحب مرحوم راولپنڈی میں شہید کیے گئے تو گکھڑ میں میرے پاس ایک بہت بڑے عالم (جو کم و بیش ۳۰ - ۳۵ سال تک کامیاب مناظر رہے اور ایک ایک مسئلہ پر نکات در نکات بیان کیے جاتے ہیں) موجود تھے۔ چنانچہ انہی

کے توسط سے ہم نے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت منگوائی اور ہم سب آمین کہتے رہے۔ جب لوگ چلے گئے تو وہ حضرت مجدد سے دریافت فرمانے لگے کہ لیاقت علی خان صاحب کون بزرگ تھے جن کے لیے یہ کہرام مچ گیا ہے میں نے کہا کہ وہ تو پاکستان کے وزیر اعظم اور قوم کے خیر خواہ تھے۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ پھر تو وہ بہت اچھے آدمی ہوں گے؟ بھلا غور فرمایئے کہ ایسے حضرات جدید مسائل کا کیا حل تجویز کر سکتے ہیں؟ حالانکہ وہ کامیاب مناظر محقق واعظ اور جید عالم ہیں اور صحیح معنی میں خادم اسلام اور مذہب کے شیدائی ہیں اور اسی طرح کے ایک اور بزرگ جو چوٹی کے محدث، فقیہ اور صوفی ہیں اور سینکڑوں علماء کے استاد ہیں وہ ایک دفعہ فرمانے لگے، کیا یہ وزراء کرام تنخواہیں بھی لیا کرتے ہیں؟ غور کیجئے کہ اگر تنخواہوں اور سستی شہرت کا سوال نہ ہوتا تو اسمبلی ہال کی کرسیاں ایک دوسرے کے سر پر کا ہے کو برستیں اور مکا بازی کا مظاہرہ کیوں ہوتا؟ اگر نگاہِ بصیرت سے دیکھا جائے تو مسلمان اور عادل بادشاہوں کا فقہ حنفی کو اپنانا محض اس لیے تھا کہ وہ ہر نئے مسئلہ اور حادثہ کا حل اس میں یا اس کے پیش اور رقم کردہ کلیات اور قواعد میں پالیتے تھے اس لیے وہ اس کے گرویدہ رہے اور یہ فقہ حنفی کے جامع اور کامل ہونے کی ایک مستقل دلیل ہے کہ وہ نامساعد حالات میں بھی ترقی پذیر رہی ہے

چاروں طرف سے کانٹوں میں گھرا ہوا ہے پھول　　　پھر بھی کھلا ہوا ہے عجب خوش مزاج ہے

مگر فقہ حنفی کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ نہیں ہے بلکہ اس کی قبولیت کے کئی اور وجوہ ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مقام فقہ میں بہت اونچا ہے اور ان کے شاگردوں اور متوسلین کو بھی یہ خوبی اور کمال حاصل تھا کیونکہ الولد سر لابیہ کی ایک مستور مثال ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لو کان الدین عند الثریا (الحدیث) میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارت اور خوشخبری دی ہے امام صاحبؒ اس کا اولین مصداق ہیں، اس لیے بھی ان کی فقہ کو برتری حاصل رہی ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ کی فقہ اس لیے مقبول رہی ہے کہ اس کے اصول و ضوابط شوریٰ کے ذریعے طے ہوتے رہے ہیں، چنانچہ کوفہ کے اندر کتاب و سنت کی روشنی میں وضع قوانین اور حل حوادث و نوازل کے لیے ایک مجلس شوریٰ قائم تھی جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سرکردگی میں مسائل پر غور و خوض کیا کرتی تھی اور کافی بحث و تمحیص اور مناظرہ کے بعد جب سب کی رائے متفق ہو جاتی تو پھر وہ مسائل قید تحریر میں لائے جاتے تھے اور منضبط کر کے ان کی تدوین کی جاتی تھی اور یہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے کہ اجتماعی سعی، انفرادی کوشش سے بہر حال اعلیٰ و افضل ہی رہتی ہے اور اس طریق سے جو مسائل طے کیے جائیں گے ظاہر بات ہے کہ ان میں خطا اور غلطی نسبتاً بہت ہی کم ہو گی۔ اگرچہ یہ طریق بھی معصوم عن الخطا کا درجہ اور مقام تو حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ ہے آخر یہ بھی اجتہاد ہی مگر اس میں غلطی کا امکان بہر حال کم رہتا ہے اور شوریٰ کا مستحسن اور مفید ہونا خود قرآن کریم سے مثلاً وامرھم شوریٰ بینھم اور نیز متعدد صحیح احادیث (باقی صفحہ پر)